سیّد خواجہ میر دردؔ

(1784 _ 1720)

سیّد خواجہ میر دردؔ دِلّی کے ایک معزّز اور صوفی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد کی نگرانی میں اعلا درجے کی تعلیم حاصل کی۔ موسیقی میں بھی خوب دخل پیدا کیا۔ کچھ دن تک شاہی ملازمت کرنے کے بعد خواجہ میر دردؔ اپنے والد کی خانقاہ میں آ بیٹھے اور پھر تا حیات کہیں نہ گئے۔ جب دلّی پر بُرا وقت تھا اور کئی اہلِ کمال شہر چھوڑ کر پورب جا رہے، اس زمانے میں بھی، خواجہ میر دردؔ نے اپنے بزرگوں کا آستانہ ترک نہ کیا اور اسی کی خاک کا پیوند بنے۔

اپنے زمانے میں دردؔ کی شہرت صوفی، شاعر اور ماہرِ موسیقی کی حیثیت سے تھی۔ شاعر کی حیثیت سے اُن کی شہرت ہمیشہ بہت اونچی تھی اور آج بھی وہ اردو کے سب سے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دردؔ کی شاعری میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو میرؔ کے یہاں بھی ملتی ہیں۔ بہت سی ایسی ہیں جن سے غالبؔ نے بعد میں بہت فائدہ اٹھایا۔ دردؔ کے یہاں فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات اور دِل کے حالات سب مِل جُل کر ایک ہو جاتے ہیں اور غزل کی بہترین سنجیدہ اور پُرسوز شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔ دردؔ کا کلام بہت کم ہے لیکن جتنا بھی ہے بہت اعلا پائے کا ہے۔

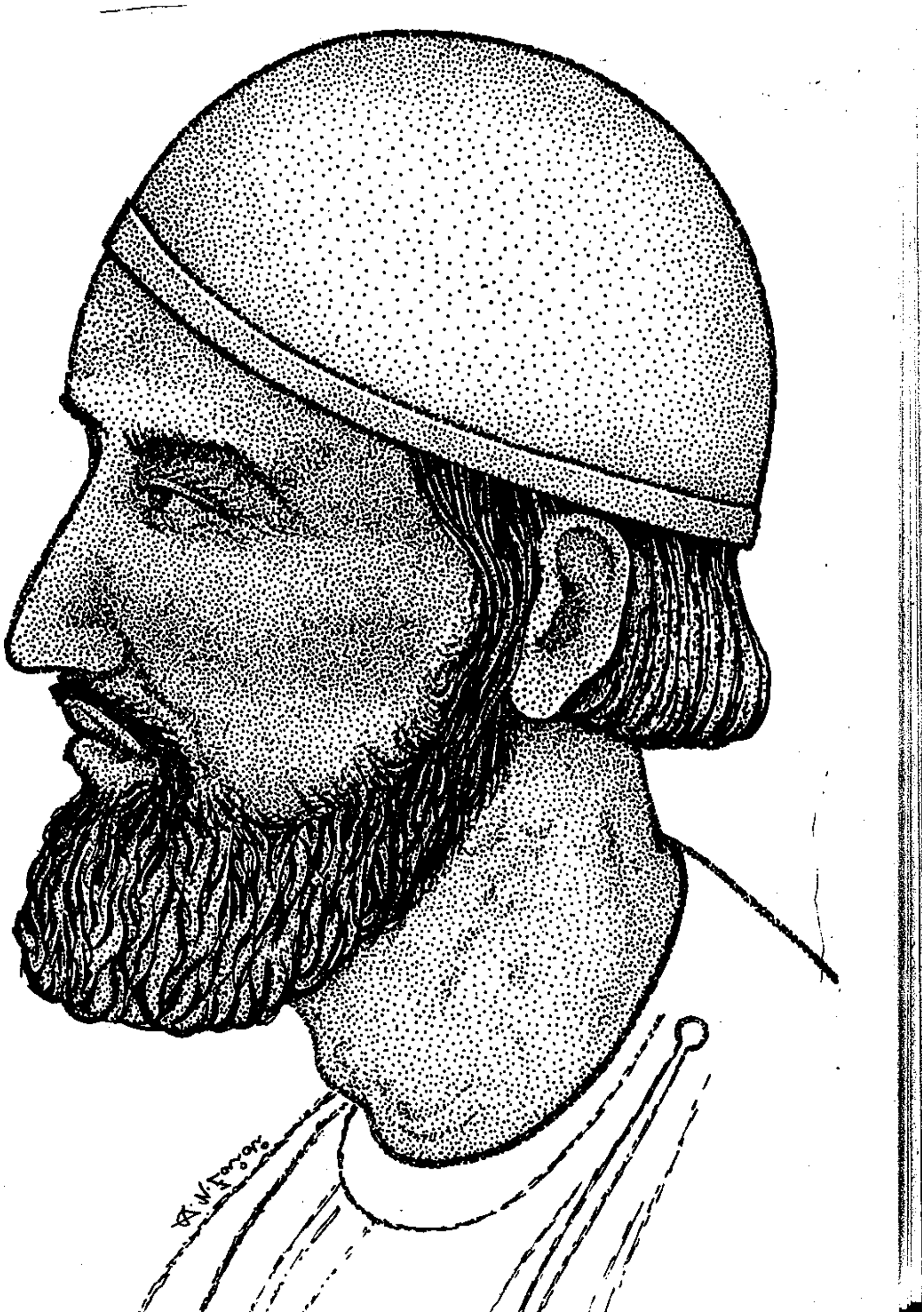

(1)

جی میں ہے سیرِ عدم کیجیے گا　　یک بیک خلق سے رَم کیجیے گا
سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق　　اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا
گرمیِ اشک سے مانندِ شراب　　آب و آتش کو بہم کیجیے گا

(2)

تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
رکھتا ہوں ایسے طالعِ بیدار میں کہ رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا
گو نالہ نارَسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگُزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
کُنجِ جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو دردؔ داغِ جگر کو نہ دھو سکا

(3)

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم　　تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی　　ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر　　اپنے تئیں آپ رو گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا　　پھر کھُلتے ہی آنکھ سو گئے ہم
یاروں ہی سے دردؔ ہے یہ چرچا　　پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

معنی اور اشارے

یک بیک	=	اچانک ، بالکل
رم کرنا	=	دُور بھاگ جانا
سخت	=	بہت
خامہ	=	قلم
مانند	=	طرح
بہم	=	یک جا
طالع	=	ستارہ ، تقدیر
نالوں کی دولت	=	نالوں کی بدولت ، نالوں کی وجہ سے
نارَسا	=	ناکام ، پہنچنے سے قاصر
درگزر کرنا	=	چھوڑنا ، پہلو بچانا
کُنج	=	کونا
اپنے تئیں	=	اپنے آپ کو
ٹُک	=	ذرا

غور کرنے کی بات

غزل نمبر ایک : اس غزل کی ردیف "کیجیے گا" سے بظاہر اندازہ ہوتا ہے کہ خطاب کسی اور سے ہے۔ لیکن دراصل یہاں "کیجیے گا" سے مراد ہے : "ہم کریں گے"۔ شعر نمبر دو اور تین میں خطاب اپنے علاوہ کسی اور سے بھی

ہوسکتا ہے۔

شعر نمبر دو : ”خامۂ شوق“ کی مناسبت سے ”قلم کیجیے گا“ کی خوب صورتی لاجواب ہے۔

غزل نمبر دو: مقطعے کے دوسرے مصرعے میں پہلے ”تو“ کو ’ت‘ پر زبر کے ساتھ یعنی ”تَو“ پڑھا جائے گا۔ دوسرے ”تو“ کو ”تُو“ بھی پڑھ سکتے ہیں اور ”تو“ بھی۔

مشق اور مطالعہ

(1) پہلی غزل کے مطلعے میں ”رم کرنا“ کا مفہوم ہے : دُور بھاگ جانا۔ معلوم کیجیے کہ اس فعل کو کس خوب صورت چوپائے سے مخصوص کیا جاتا ہے اور اس تخصیص کی روشنی میں شعر کا مفہوم لکھیے۔

(2) تیسری غزل کے دوسرے شعر میں ”آئینہ“، ”نظر“ اور ” دوچار“ کے باہمی تعلّق کی بِنا پر شعر کا مطلب لکھیے۔

(3) غزل نمبر تین کے ان اشعار کو الگ لکھیے جو صرف معبودِ حقیقی (خُدا) سے متعلّق ہیں۔

(4) تینوں غزلوں کے ایسے اشعار کی نشان دہی کیجیے جنھیں دنیاوی محبوب سے بھی منسوب کیا جاسکے۔

میر تقی میر

(1810–1722)

میر تقی میرؔ آگرے میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ ایک درویش صفت شخص تھے۔ میرؔ کی نوعمری ہی تھی کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ گھر میں کوئی دولت تھی نہیں، کچھ خاندانی جھگڑے بھی تھے، اس لیے میرؔ دلّی آکر اپنے سوتیلے ماموں اور مشہور شاعر سراج الدین علی خاں آرزوؔ کے یہاں رہنے لگے۔ آرزوؔ اپنے وقت کے بڑے رئیس اور فارسی اردو کے عالم اور شاعر تھے۔ ان کے یہاں رہنے سے میرؔ کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہوگا، لیکن دونوں کا نباہ دیر تک نہ ہوسکا۔ میرؔ کو آرزوؔ کا گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ وہ برسوں دلّی میں مارے مارے پھرتے رہے۔ کبھی کبھار کسی رئیس کی ملازمت کی تو کچھ دن آرام سے گزرے۔ لیکن اپنے مزاج کی آزادی اور خودداری کے باعث میرؔ کہیں جم کر نہ رہ سکے۔ پھر انھوں نے دلّی میں رہنا مشکل جان کر لکھنؤ کی راہ لی۔ میرؔ 1782 کے قریب لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدّولہ نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ میرؔ کی باقی زندگی نسبتاً آرام سے گزری۔ لکھنؤ میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

شروع زمانۂ شاعری سے ہی ان کا کلام مشہور اور مقبول ہوچکا تھا۔